باغ و بہار میں تحیر و تجسّس (fantasy) کے عناصر

محمد اقبال، لیکچرار شعبۂ اُردو، ایف جی قائد اعظم ڈگری کالج، راولپنڈی

Abstract

Bagh-o-Bahar is a classic piece of literature in urdu. In this article, elements of fantasy have been brought into light with textual examples.

اُردو کے داستانی ادب میں تحیر و تجسّس (fantasy) کی تلاش کا بڑا ماخذ داستانی متن ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے داستانیں چھپی ہوئی صورت میں دستیاب نہیں تھیں۔ داستانوں کے نہ چھپنے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ چھاپے خانے ہی نہیں تھے۔ چھاپے خانوں کے قیام کے بعد داستان گو، داستان نویس بن گئے۔ ان چھاپے خانوں کی بدولت ہم کہہ سکتے ہیں کہ داستانی متون، جو داستانی تحقیق کے بنیادی مآخذ ہیں، اس صورت میں کبھی دستیاب نہ ہوتے، جس شکل میں آج قارئین ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ متون تحقیق کے بڑے مآخذ ہیں اس لئے تحیر و تجسّس (fantasy) کی جستجو کے لئے انہیں زندہ مآخذ سے رابطے کا اہتمام کرتے ہیں۔

باغ و بہار:

''باغ و بہار'' کو بلاشبہ جدید اردو نثر کا پہلا صحیفہ قرار دیا جاتا ہے۔

''باغ و بہار'' کو جدید اردو نثر کا پہلا صحیفہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔''[1]

''باغ و بہار'' اپنے باطن میں لفظی و معنوی سطحوں پر اسرار و رموز کی ایک الگ دنیا بسائے ہوئے ہے۔ باغ و بہار پر جتنے بھی تحقیقی و تنقیدی محاکے سامنے آئے ہیں سبھی میں میر امن کے نثری کمال کو سراہا گیا ہے۔ قصے کی یہ چھان بین کہ یہ میر امن کی ذہنی اختراع ہے یا ''چہار درویش'' کی اردو صورت، اس موقع پر اضافی محسوس ہوتی ہے اور ان امور پر دفتروں کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ یہاں علاقہ صرف باغ و بہار میں فینٹسی کے عناصر سے ہے جس پر شاید پہلے کوئی تحریر نہیں ملتی۔

قصے کے آغاز میں پہلے درویش کی روداد تخت سے شروع ہوتی ہے اور دربدری پر اس کا انجام ہوتا ہے۔ اسی طرح دمشق کے بادشاہ کی بیٹی کی زندگی بھی پیچ در پیچ دوراہوں سے گزرتی ہوئی ایک معمہ بن جاتی ہے۔ ایک عجیب وغریب اسرار کہ اس کے غیاب کی تعبیر کیا ہے۔

قصے کے آغاز میں کہانی کی بُنت کے اعتبار سے قصہ نویس کا انداز بہت محتاط اور منطقی ہے۔ قصے میں علت اور معلول کا رشتہ پیرا بہ پیرا بالترتیب چلتا رہتا ہے۔ جہاں تک قصے کی بنت میں تخیل کا عمل ہے تو وہ پہلے درویش کی اس کہانی سے واضح ہو جاتا

ہے کہ جب وہ دمشق شہر کے دروازے پر روک لیا جاتا ہے اور باہر سے، وہ شہر کی فصیل سے، صندوق نیچے آتا دیکھتا ہے، جس میں شہزادی ابتر حالت میں بے ہوش پڑی ہوتی ہے۔صبح ہونے پر جب وہ اس کے علاج کی خاطر شہر سے حکیم کو بلانے جاتا ہے تو ایک من گھڑت کہانی بنتا ہے جس کا قصے کی اصل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر وہ کہانی اس مقام پر وقت کی ضرورت ٹھہرتی ہے۔

> ''ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تجارت کے لئے چلا، قبیلے کو بہ سبب محبت کے ساتھ لیا۔جب نزدیک اس شہر کے آیا،تھوڑی سی دور رہا تھا جو شام پڑ گئی۔ان دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا، میدان میں ایک درخت کے تلے اُتر پڑا۔پچھلے پہر ڈاکا آیا؛ جو کچھ مال اسباب پایا، لوٹ لیا۔گہنے کے لالچ سے اُس بی بی کو بھی گھائل کیا۔مجھ سے کچھ نہ ہوسکا۔رات جو باقی جوں توں کر کاٹی، فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرایے لیا؛ان کو وہاں رکھ کر میں تمہارے پاس دوڑا آیا ہوں۔خدا نے تمہیں یہ کمال دیا ہے؛اس مسافر پر مہربانی کرو، غریب خانے تشریف لے چلو، اس کو دیکھو۔اگر اس کی زندگی ہوئی تو تمہیں بڑا جس ہوگا۔''[۲]

ظاہر ہے یہ من گھڑت کہانی اسے ایک بڑی افتاد سے بچاتی نظر آتی ہے۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اسے یہ عورت کس طرح ملی ہے۔ یہاں یہ بات غور طلب محسوس ہوتی ہے کہ داستان میں قصہ گو پر، قصے کی روانی کو برقرار رکھنے میں، جب مشکل پیش آتی ہے تو تخیل اس کی مدد کرتا ہے۔اگر چہ اس داستان میں ما فوق الفطرت عناصر کی اتنی بہتات نہیں کہ ہم باغ و بہار پر فینٹسی فکشن کی چٹ چسپاں کر دیں۔لیکن اگر غور سے قصے کا مطالعہ کیا جائے تو ہم قصے میں فینٹسی کی پر چھائیاں محسوس کر سکتے ہیں، جو بعض جگہوں پر حقیقت کے پردے میں اتنے نامعلوم طریقے سے چھپی ہوتی ہیں کہ فرد پہلی نظر میں محسوس نہیں کر سکتا۔

داستان میں جتنے سوالات میں یا معمے اٹھائے جا رہے ہیں، ذہن فوری طور پر ان واقعات کی کڑیوں کو سمجھنے سے قاصر نظر آتا ہے۔لیکن کیا ہے کہ ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ذہن بھول بھلّیوں میں تو پڑتا ہے کہ کس طرح شہزادی درویش کو اپنے انتقام کی تسکین کے لئے استعمال کر رہی ہے اور اس کا گمان ہر موڑ پر حقیقت بن جاتا ہے۔اس کا یہ خیال کہ ایسا ہوگا یعنی وہ درویش کو یوسف سوداگر کی دکان پر بھیجے گی، جس نے اس سے وفا نہیں کی ہوتی۔وہ ملنسار ہے۔درویش کی اور اس کی رسم و راہ بڑھے گی۔وہ آپس میں دعوتوں کا تبادلہ کریں گے اور میں سوداگر سے اپنے گھر دعوت پر آنے کے وقت اپنی ذلت کا بدلہ لے لوں گی۔اور ایسا ہی ہوتا ہے۔لیکن یہ عمل تخیل کی حد تک فینٹسی کا حامل ہے جسے بعد میں حقیقت کا روپ مل جاتا ہے۔اصل میں یہ تمام سوالات ایک سطح پر فینٹسی تھے، جو بعد میں عملی تعبیر سے ہمکنار نظر آئے۔ایک مسلسل استفہامیہ انداز ہے جس میں گرہوں پر گرہیں پڑی ہوئی ہیں:ایک اقتباس

> ''کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟اور وہ حبشی، سانولا، سجیلا (جس نے ایک پرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کیے) کون تھا؟اور تیاری ظرافت کی بادشاہوں کے لائق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟اور وے دونوں بے گناہ اس مجلس میں کس لئے مارے گئے؟اور سبب خفگی اور بے مروتی کا، باوجود خدمت گزاری اور ناز برداری کے مجھ پر کیا ہوا؟''[۳]

اب ان استفہامیوں میں حقیقت کا دخل ملاحظہ ہو:

> ''مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے؛ تجھے بھی اجنبی جان کر، اغلب ہے کہ

دوستی کرنے کے لئے ،اترا کر دعوت اور ضیافت کرے گا۔سُو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا۔جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا،اس نے ویسا ہی کیا۔تو جب اس سے قول قرار پھر آنے کا کر کر میرے پاس آیا اور مہمانی کی حقیقت اور اس کا بجد ہونا۔مجھ سے کہا؛میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اس کے گھر میں جا کر کھاوے پیوے گا،تب اگر تو بھی اس کو مہمانی کی خاطر بلاوے گا،وہ دوڑا چلا آوے گا؛اس لئے تجھے رخصت کیا۔'' [۴]

دوسرے درویش کی سیر بھی معموں سے بھری پڑی ہے ۔سفر مسلسل سفر جس میں کئی طرح کے ڈراوے اور الجھاوے ہیں ۔قصہ نویس قاری کو واقعات کی بھول بھلّیوں میں ڈال کر کسی دوسری دنیا میں لے جاتا ہے ۔حاتم کی سخاوت کو جس دل پذیر انداز میں سراہا گیا ہے، وہ قصے میں ایک الگ تاثیر بن جاتا ہے ۔یعنی حاتم کا چرواہے اور اس کی بیوی کا بیان سننا اور پھر انہیں نوفل سے انعام دلوانے کی خاطر غار سے باہر چلے آنا۔درویش کا اصفہان سے بصرے کی شہزادی کی تلاش تک کا سفر تخیل کی پرواز کا سفر ہے،جس میں سخی اپنی سخاوت اور عیار اپنی عیاریوں سے قصے کی فضا میں حیرت کا بیج بو رہے ہیں۔

بادشاہ کا اپنی سات بیٹیوں کو اکٹھا کرنا اور ان سے اپنی مطلق العنانی کا اعتراف کروانا۔ان میں سے ایک بیٹی کا خدا پر بھروسا کرنا۔پھر اس کا در بدر ہونا اور ہاتف سے ایک بڑے خزانے کا مل جانا۔پھر اسی بادشاہ کا اپنی بیٹی کا محل دیکھنے کے لئے آنا۔ بلا شبہ یہ سب کرتب تخیل کے ہیں،جو قاری کو ایک الگ جہان کی سیر کرواتے نظر آتے ہیں۔بادشاہ کے بیٹے کا بچپن اور اس عمر کی سریّت ، دیکھیں:

''ایک روز اس گنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا ،کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جاتا ہے۔میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ لوں،جوں جوں میں ہاتھ لنبا کرتا تھا،وہ اونچا ہوتا جاتا تھا۔میں حیران ہو کر اسے تک رہا تھا،وونہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی ۔دیکھا تو نمد چیر کر ایک مکھڑا چاند کا سا نکل رہا ہے۔'' [۵]

اب ان مناظر کو ہم خالی ازفینٹسی قرار نہیں دے سکتے۔ایک بچہ جسے دنیا کے جھمیلوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی وہ اپنے حجرے میں بند ہے مگر کیا ہے کہ حسن کی دیوی سارے حجاب توڑ کر اس تک پہنچ جاتی ہے اور وہ نسوانی تلذذ کی مہک محسوس کر لیتا ہے ۔اور اس کے بعد کا منظر:

''اب اس حادثہ نا گہانی کا ماجرا سن ،کہ وونہیں چار پری زاد نے آسمان پر سے اتر کر کچھ اس معشوق کے کان میں کہا۔سنتے ہی اس کا چہرہ تغیر ہو گیا اور مجھ سے بولی کہ اے پیارے!'' [۶]

اب یہ کون کردار ہیں جو قصے کے درمیان اپنا جلوہ دکھا کر ساری فضا کو بدل دیتے ہیں ۔یقیناً یہاں تو جن ہیں جو اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور آخر میں دوسرے درویش کے لئے ایک بڑا معمہ چھوڑ جاتے ہیں:

''.....باغ کے ایک کونے میں ایک درخت کو لے میں پکڑ ، جٹا کی لٹ کی گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔میں پاس جا کر جو دیکھا تو واہ واہ یہ تو مر گیا....جوں درخت سے جدا کرنے لگا،تو کنجیاں اس کی لٹوں میں سے گر پڑیں.....وے دو تو کنجیاں لے کر سب قفلوں میں لگانے لگا۔اتفاقاً دو حجرے کے تالے ان تالیوں سے کھلے۔دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہے اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی،سونے پتر، لگی قفل دی ہوئی

ایک طرف دھری ہے۔اس کو جو کھولا ،تو ایک کتاب دیکھی کہ اس میں اسم اعظم اور حاظرات جن و پری کی اور روحوں کی ملاقات اور تسخیر آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔''ے

یہ سوال دوسرے درویش کو دنیا سے الگ کر دیتے ہیں اور پھر غیب سے ایک ہستی اس کی مدد کا عندیہ دیتی ہے اور دوسرے درویش کی روداد ختم ہو جاتی ہے۔ باغ و بہار میں آزاد بخت کی سرگزشت میں سگ پرست کا قصہ اسفل ترین چیز کو اشرف المخلوقات پر فوقیت دیتا نظر آتا ہے۔کتا جو اپنی وفاداری بشرط استواری کی بہترین مثال بن جاتا ہے۔باغ و بہار کی تمام فضا میں ایک چیز شدت سے محسوس کی جا سکتی ہے اور وہ تلاش ہے۔ پہلے درویش کی روداد سے لے کر چوتھے درویش کی سرگزشت تک احساس زیاں کرداروں کے داخل میں پروان چڑھتا محسوس ہوتا ہے۔تمام درویش بہ ظاہر محبت کے متلاشی نظر آتے ہیں مگر بہ باطن اپنی ذات کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہیں۔اس تلاش میں کئی طرح کے مصائب و آلام ہیں۔کالے کوسوں کے سفر ہیں۔راہوں کے ڈراوے ہیں اور دشمنیاں ہیں۔ بھائی ، بھائی کا دشمن ہے۔سگ پرست کی کہانی میں سے ایک منظر:

''...میں نے پاس جا کر کہا: خیر تو ہے؟ بولا: عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے درخت ہاتھ میں لئے ناچتے ہیں۔اگر اور ایسی بات خلاف قیاس کہتا تو میں نہ مانتا، بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا، دیکھنے کو سر جھکایا۔ ہر چند نگاہ کی، کچھ نظر نہ آیا اور وہ یہی کہتا رہا: اب دیکھا؟ لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔اس میں مجھے غافل پا کر، منجھلے نے اچانک پیچھے آکر ایسے دھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا اور رونے دھونے لگے کہ دوڑیو! ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا۔''۸

یہاں بھائی اپنے بھائی کو مارنے کے درپے ہیں اور اپنے ماں جائے کو مارنے کے لئے اسے ایک پرکشش منظر گھڑ کر سنا رہے ہیں جس کے لوبھ میں آکر شاہ زادہ منظر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے اپنا وجود ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ شاہ زادہ جب منظر کی تلاش میں نیچے جھکتا ہے تو اس کے بھائی اسے پانی میں دھکا دے دیتے ہیں۔فینٹسی کا عمل اس قصے کے خمیر میں محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اپنے وجود کا احساس دلائے رکھتا ہے۔پہلی قرأت میں، واقعات کی بنت میں ،حقیقت کا عنصر دیکھنے کو ملتا ہے۔لیکن بعد میں، کہانی کی جزئیات میں بعض مناظر خالصتاً فینٹسی کے زمرے میں آتے ہیں۔درج بالا قصے میں بھی، بھائی ،جنہیں برادران یوسف کی تلمیح کے ضمن میں بھی جانا جا سکتا ہے، اپنے بھائی کو پرکشش منظر میں رجھانے کے لئے ،من گھڑت تصویر دکھانے کے لئے ،اکسا رہے ہیں۔

تیسرے درویش کی سیر میں بیانیہ کا عنصر غالب ہے۔جزئیات میں زیادہ پیچ نہیں ہیں اور فینٹسی کے اعتبار سے بھی تخیل کا بہت کم دخل ہے البتہ چوتھے درویش کی کہانی میں فینٹسی کے عناصر کا دخل زیادہ پڑھنے کو ملتا ہے۔مثلاً:

''مدت سے یہ تماشا ہو رہا ہے، لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ہوتا اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں، مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی اور تو کچھ میں نہیں جانتی ،لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے قصد مباشرت کا کیا ؛چھت پھٹ کر ایک تخت مرصّع کا نکلا،اس پر ایک جوان خوب صورت شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اس مکان میں آئے اور شاہ زادے کے قتل کے مستعد ہوئے۔وہ شخص سردار میرے نزدیک آیا اور بولا: کیوں جانی

!اب ہم سے کہاں بھاگوگی !ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں ،لیکن پانو بکریوں کے سے نظر آئے ۔میرا کلیجہ دھڑکنے لگا اور خوف سے غش میں آ گئی ۔پھر مجھے کچھ سدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا۔تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اس چھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ہیں۔''۹

شاہ زادہ بادشاہ کے کہنے پر شادی تو کر لیتا ہے لیکن کچھ طاقتیں ایسی ہیں، جو جادو کے زور پر برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں:

''نکاح باندھا گیا اور مہر متعین ہوا ۔دلھن کو بڑی دھوم دھام سے لے گئے ،سب رسم رسومات کر کے فارغ ہوئے ۔نوشہ نے جب رات کو قصد جماع کا کیا ۔اس مکان میں ایک شور وغل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے ،حیران ہوئے ۔دروازہ کوٹھری کا کھول کر چاہا دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے ؛اندر سے ایسا بند کہ کواڑ کھول نہ سکے ۔ایک دم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی ۔پٹ کی چول اکھاڑ کر دیکھا، تو دولھا سر کٹا ہوا پڑا تڑپھتا ہے اور دلھن کے منہ سے کف چلا جاتا ہے اور اسی مٹی ،لہو میں لتھڑی ہوئی بے حواس پڑی لوٹتی ہے۔''۱۰

جنوں کے بادشاہ مبارک کے ایماں پر چالیسواں بوزنہ تلاش کرتے کرتے، درویش مشکلات کا سامنا کرتے کرتے ،خود کشی کا ارادہ باندھتا ہے کہ ہاتف سے سارے غم خوشیوں میں بدل جاتے ہیں۔خاموشیاں ،آوازوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں:

''ایک روز پہاڑ پر جا کر میں نے بھی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا کر ضائع کروں ۔جوں مستعد گرنے کا ہوا، وہی سوار صاحب ذوالفقار ، برقع پوش آ پہنچااور بولا کہ کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے! آدمی پر دکھ درد سب ہوتا ہے ۔اب تیرے برے دن گئے اور بھلے دن آئے ۔جلد روم کو جا ۔تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں،ان سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے ۔تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملے گا۔''۱۱

یہاں غیب سے مدد مل رہی ہے اور ایک حوالے سے مستقبل میں پیش بینی کا عمل بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔برقعہ پوش ہستی حضرت علیؑ ہیں لیکن جزئیات نگاری میں متخیلہ کا استعمال فینٹسی سے قریب نظر آتا ہے ۔آخر میں جب بادشاہ کی مراد پوری ہوتی ہے تو عین بیٹے کی پیدائش پر ایک پیچ پڑتا ہے ۔یہاں پر داستان کا آغاز یاد رہے کہ جب بادشاہ فرزند کے لئے ترس کر بادشاہت چھوڑ دیتا ہے ۔یعنی کس عمدگی سے قصے کو سمیٹا گیا ہے کہ آغاز کی کڑیاں انجام سے ملا دی ہیں:

''عین شادی میں ایک بارگی اندرون محل سے رونے پیٹنے کا غل اٹھا ۔خواصیں اور ترکنیاں اور اردا بیگنیاں اور محلی ،خوجے سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا جس وقت شاہ زادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا۔ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا ؛بعد ایک دم کے دیکھیں تو انگاہ بے ہوش پڑی ہے اور شاہ زادہ غائب ہو گیا۔''۱۲

یعنی بادشاہ کی تمام خوشیوں پر پانی پھر گیا لیکن یہ غم زیادہ دیر نہیں رہتا۔اور لڑکا مل جاتا ہے جس کے پیچھے ایک اور بادشاہ اولاد کی تڑپ میں بے چین ہے اور وہ اپنی بیٹی کا بر تلاش کر رہا ہوتا ہے اور اس تلاش میں تقدیر کی پیش بینی بھی شامل ہے۔ لیکن یہاں متخیلہ کی پرواز کہانی کے سروں کو آپس میں جوڑنے کا عمل صانع کی مشاقی کی دلالت کرتا ہے :

''بادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہم راہ لے کر تخت پر بیٹھے ۔وہ تخت ،حضرت سلیمان کے تخت کی مانند ہوا پر

چلا۔رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اُترے کہ عمارت عالی شان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے،لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔"۱۳

اب ان درویشوں کی دستگیری کا وقت ہے۔جن کی ریاضتیں رنگ لائی ہیں۔ملک شہپال تمام کی احتیاجات پوری کر دیتا ہے۔آزاد بخت کو بیٹا مل جاتا ہے۔عمان کے بادشاہ کو شاہ زادی اور پھر بادشاہ فرنگ کی بیٹی۔بہزاد خان اور آخر میں چوتھے درویش کی شاہ زادی کی تلاش۔اس سارے عمل میں غیاب پھر ظہور، ہاتف سے مدد کا آنا، چاروں درویشوں کو اپنی اپنی منزل کا مل جانا کہانی میں فینٹسی کے عمل دخل کا سراغ دیتا ہے جسے چابکدستی کے ساتھ کہانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ میر امن دہلوی، (۱۹۹۲ء)، باغ و بہار، رشید حسن خاں، مرتّب، لاہور:نقوش،ص:۱۳
۲۔ ایضاً،ص:۲۸
۳۔ ایضاً،ص:۴۶
۴۔ ایضاً،ص:۶۰
۵۔ ایضاً،ص:۱۰۳
۶۔ ایضاً،ص:۱۰۴
۷۔ ایضاً،ص:۱۰۹
۸۔ ایضاً،ص:۱۴۱
۹۔ ایضاً،ص:۲۳۲
۱۰۔ ایضاً،ص:۲۳۰
۱۱۔ ایضاً،ص:۲۳۹
۱۲۔ ایضاً،ص:۲۴۱
۱۳۔ ایضاً،ص:۲۴۳